انسانیت دوراہے پر

مولانا محمد شہاب الدین ندوی

انسانیت کیا ہے؟...... انسان محض ایک حیوانی وجود یا ڈاروِن کے نظریہ کے مطابق ایک ''بڑھیا جانور'' ہی نہیں بلکہ وہ صفت نطق وگویائی سے بھی متصف ہے، وہ محض گوشت پوست، خون اور ہڈیوں ہی سے مرکب نہیں بلکہ کچھ جذبات و احساسات بھی رکھتا ہے، وہ ہاتھ پیر، رنگ وروپ اور بطن وفرج ہی کا مجموعہ نہیں بلکہ عقل وشعور اور فہم وادراک کی قوتوں سے بھی مالا مال ہے، وہ محض ایک جانور ہی نہیں بلکہ ایک ایسے حیرت انگیز ذہن ودماغ کا بھی مالک ہے جس کے سہارے وہ کسی بھی چیز کے متعلق مختلف خیالات ونظریات قائم کرتا، خیر وشر میں تمیز کرتا اور منطق واستدلال سے کام لیتا ہے۔

مختصر یہ کہ انسان کا ظاہری وجسمانی نظام ایک حقیقت ہے تو اس کا باطنی واندرونی نظام بھی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے، جس کا انکار کر کے ان مظاہر کی کوئی بھی تشفی بخش تشریح وتوجیہ نہیں کی جا سکتی، ایک کو ہم ''جسم'' سے تعبیر کرتے ہیں تو دوسرے کو ''روح'' سے موسوم کر سکتے ہیں، کھانا، پینا، سونا، شادی بیاہ کرنا اور جسمانی راحت وآسائش وغیرہ جسم کے مظاہر ہیں تو سوچنا، سمجھنا، محسوس کرنا، نطق وگویائی، عقل وشعور، ذہن ودماغ، قوتِ حافظہ اور دلیل واستدلال وغیرہ سے کام لینا روح کے خواص، اول سے جسم کا نشو ونما ہوتا ہے تو دوسرے سے روح کی آبیاری ہوتی ہے۔

روح کے خواص واثرات ہی انسان کے عمل وکردار کو جنم دیتے اور اس کے لئے راہِ عمل متعین کرتے ہیں، روح کا یہ عمل جب اپنی صحیح سمت اور صحیح رُخ میں رواں رہتا ہے تو اس سے حسن اخلاق اور تہذیب وشائستگی کے چشمے پھوٹتے ہیں، مگر جب اس کا رخ اور بہاؤ غلط سمت کی طرف ہو جاتا ہے، تو پھر بد اخلاقی اور حیوانیت کا عروج ہونے لگتا ہے، یہی وہ نقطہ ہے، جہاں سے حیوانیت اور انسانیت کی راہیں الگ الگ ہو جاتی ہیں، اس دو آبے پر پہنچ کر ''ڈارونیت'' اور ''آدمیت'' کی منزلیں جدا جدا نظر آنے لگتی ہیں، اور یہی وہ مرکزی مقام ہے جہاں پر انسان بقیہ تمام انواع حیات سے نمایاں وممتاز نظر آنے لگتا ہے اور لاکھوں انواع حیات میں یہ مرتبہ ومقام سوائے انسان کے کسی اور کو نہیں مل سکا۔

﴿ولقد کرمنا بنی آدم وحملنا هم فی البر والبحر ورزقنهم من الطیبٰت وفضلنا هم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلاً﴾......اور ہم نے آدم کی اولاد کو یقیناً عزت بخشی اور انہیں بر و بحر میں سواریاں عطا کیں۔(خورد ونوش کی) عمدہ چیزوں سے انہیں نوازا اور بہت سی مخلوقات پر انہیں کلی فضیلت بخشی۔(بنی اسرائیل:۷۰)

تہذیب جدید کے عناصر:......یہ ایک المیہ ہے کہ دورِ جدید میں جسم کی نشو ونما اور اس کی آرائش وزیبائش پر تو بہت زیادہ زور دیا گیا، چنانچہ سائنس کی تقریباً تمام ترقیاں جسم انسانی کو زیادہ سے زیادہ آرام وراحت پہنچانے ہی کے لئے ہورہی ہیں، مگر روح اور اس کی غذا کو یکسر نظرانداز کردیا گیا، حالانکہ سب سے زیادہ زور اسی پر دینا چاہئے تھا۔

تہذیبِ جدید کے علمبرداروں نے مذہب سے بغاوت کرکے روح اور اس کے مظاہر کو سمجھنے میں دانستہ یا نادانستہ طور پر سخت ٹھوکر کھائی اور مادہ اور اس کے مظاہر ہی کو سب کچھ قرار دے کر انسان کو اخلاقی قیود سے آزاد کردیا، نتیجہ یہ ہوا کہ انسانی معاشرہ میں ایک خوفناک قسم کی بے یقینی پھیل گئی، انسانیت دکھی ہوگئی، افسردگی، مایوسی اور بے چینی کے جراثیم سرایت کر گئے، جنہوں نے خودغرضیوں اور تن آسانیوں کو جنم دیا، جب کوئی مقصدِ حیات ہی نہ رہا اور زندگی کے مصائب وآرام میں سہارا دینے والی ہستی کا مرکزی تصور ہی سرے سے مفقود ہوگیا تو پھر غم غلط کرتے اور ہموم وافکار سے پیچھا چھڑانے کے لئے عیاشیوں اور خرمستیوں کے نئے نئے طریقے سوچے گئے اور عشرت کدوں کو نئے سرے سے اس طرح آراستہ کیا گیا کہ حیوانیت کے سابقہ تمام ریکارڈ ٹوٹ گئے، بقول اقبال ؎

حیات تازہ اپنے ساتھ لائی لذتیں کیا کیا ۔ رقابت، خود فروشی، ناشکیبائی، ہوسناکی

علم جدید کی ناکامی:......ایک طرف تو یہ حال ہے اور دوسری طرف طبیعی واجتماعی علوم کی بڑی ترقی اور فراوانی ہوئی اور ہر شعبہ علم میں "معلومات" کا ایک انبار لگ گیا، اب حال یہ ہے کہ اگر ایک شخص کسی ایک ہی علم کے حصول میں اپنی پوری عمر کھپادے تب بھی وہ اس کے مالہ وماعلیہ کا کلی احاطہ مشکل ہی سے کرسکتا ہے، مگر اس بے مثال علمی ترقی اور عقل ارتقاء کے باوجود انسان نہ تو مادہ اور اس کے مظاہر ہی کے متعلق مکمل علم حاصل کرسکا ہے اور نہ روح اور اس کے مظاہر ہی کو کماحقہ سمجھ سکا ہے، یعنی مادہ اور روح کے متعلق کسی ایسے قطعی علم یا حتمی صداقت تک نہیں پہنچ سکا جس کو "عقیدہ" یا آخری بات کا درجہ دیا جاسکے، اس کی وجہ یہ ہے کہ انسانی علم مسلسل اور لگاتار ارتقائی منزلوں سے گزر رہا ہے اور اس کا یہ "علمی سفر" کہیں رکتا ہوا یا اپنی آخری سرحدوں تک پہنچتا ہوا دکھائی نہیں دیتا، جس کے باعث یہ فیصلہ کردیا جائے کہ اب مزید تلاش وجستجو کی ضرورت باقی نہیں رہی، جس کا جی چاہے وہ طبیعی علوم (Physical Sciences) اور ان کے ارتقاء کی تاریخ کا مطالعہ کرے۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان نے تمام علوم پڑھ لئے اور قدرت کے بہت سے مخفی رازوں کو بے نقاب کردیا، لیکن خود اپنی ہستی کو سمجھ نہیں سکا اور عرفان نفس کا پتہ لگا نہ سکا، بلکہ اس کا وجود اب تک اس کی نظروں میں ایک راز بنا ہوا ہے جو کسی طرح کھلتا نظر نہیں آتا، بلکہ علم کی جیسے جیسے ترقی ہورہی ہے، اسی نسبت سے اس کا وجود مزید پراسرار بنتا چلا جارہا ہے۔

منزل کا فقدان:......آج انسانی تمدن بے انتہا ترقی کر گیا ہے، یہ ایک حقیقت ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس کا ظاہری و مادی علم انتہائی بلندیوں کو چھو رہا ہے، چنانچہ وہ مادی قوتوں کو زیر کر کے اجرام سماوی پر ڈورے ڈال رہا ہے اور کہکشاؤں میں تاک جھانک کر رہا ہے، مگر اس کے برعکس اس کی روحانی ترقی معکوس ہوگئی ہے اور روح کی غذا مفقود ہوگئی ہے، نتیجہ یہ ہے کہ جسم و روح کے درمیان فاصلہ بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے اور انسانیت کی منزل نظروں سے اوجھل ہوتی جا رہی ہے۔

آج کا انسان ایک دوراہے پر کھڑا ہے اور اس کو اپنی منزل کی کچھ خبر ہی نہیں ہے کہ وہ کدھر جا رہا ہے؟ عقلاء و دانشور حیران و سرگرداں ہیں کہ اس کی اصل منزل کیا ہے اور کیا ہونی چاہئے؟ ہر طرف بے یقینی، ظن وتخمین، تشکیک وارتیاب اور تخیلات و مفروضات کی گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں، بے چینی، عدم طمانیت، ذہنی پراگندگی اور انتشار و اضطراب کی ایک عجیب وغریب کیفیت ہے، جو پورے عالم انسانی پر طاری ہوتی چلی جا رہی ہے، تہذیب جدید کی یہ لادینی اور عالمگیر سوغات ہیں، جنہوں نے ذہنوں کو مفلوج و ماؤف کر دیا ہے اور پورا ماحول مسموم وزہرآلود ہو چکا ہے، بقول علامہ اقبال ؎

یہ عیش فراواں یہ حکومت یہ تجارت — دل سینۂ بے نور میں محروم تسلی
تاریک ہے افرنگ مشینوں کے دھوئیں سے — یہ وادیٔ ایمن نہیں شایان تجلی

خطرناک صورت حال:......موجودہ ''مہذب'' انسان کے سینے میں یقین و عرفان کی چنگاریاں بجھ چکی ہیں، اس کا ظاہر اگرچہ نہایت آراستہ، بھڑکدار، روشن تر اور نگاہوں کو خیرہ کرنے والا دکھائی دیتا ہے، مگر اس کا باطن نہایت درجہ سیاہ، تاریک تر اور گھناؤنا ہو چکا ہے، درحقیقت وہ اپنی تمام ترقیوں کے باوجود جہالت و بے یقینی کی تہہ بہ تہہ تاریکیوں سے باہر نہیں نکل سکا ہے۔

اس کے ظاہر و باطن کا یہ تضاد اس لئے پیدا ہوا کہ اس نے روح اور اس کے تقاضوں کو سمجھنے میں فاش غلطی کی، خدائی ہدایت و رہنمائی سے بے نیاز ہو کر اپنی راہ آپ متعین کرنے کے دعوائے پندار میں سررشتۂ حیات گم کر بیٹھا، انانیت کے چکر میں ایسا پھنسا کہ منزل کے جو دھندلے سے نقوش باقی رہ گئے تھے وہ بھی مٹ گئے، انسانی واخلاقی اقدار سے بغاوت کی لہریں ایسی اٹھیں کہ جنون میں راہ کے نشانات اور سنگہائے میل تک کو اکھاڑ پھینک دیا، اب اس کے سامنے بالکل اندھیرا چھایا ہوا ہے اور ہر چیز مشکوک و بے یقینی نظر آ رہی ہے، ہر طرف غمگینی اور یاس انگیزی کی اندوہناک بدلیاں چھائی ہوئی ہیں، ایک بے کیف سی سونی سونی زندگی ہے، جو محض مشینوں کے سہارے رواں دواں ہے، ایک مصنوعی اور بناوٹی زندگی ہے جو اندرونی جذب و سوز سے خالی ہو چکی ہے اور بجائے قلبی سکون واطمینان کے، جو خدا پرستی کا لازمہ ہے، قلبی اضطراب واضطرار اور بے چینی و بے قراری ایک عالمگیر شکل اختیار کرتی جا رہی ہے، جو بے خدائیت کا لازمی نتیجہ اور لادینی تہذیب کا سب سے بڑا کرشمہ وتحفہ ہے، یہ قلبی اضطراب وانتشار اندر ہی اندر ایک آتش فشاں لاوے کی طرح پک رہا ہے، جو تمام باقیات انسانی کو خس و خاشاک کی طرح بہا لے جانا چاہتا ہے، موجودہ تمام معاشی، تمدنی اور سیاسی فتنے اور جھگڑے فسادات اس اندرونی اضطراب وانتشار کے مظاہر اور اس کی علامتیں ہیں جو خطرہ کے نشان کو پار کر چکی ہیں اور

بیرومیٹر ایک خطرناک طوفان کی خبر دے رہا ہے، مختصر یہ کہ آج انسان، انسان ہونے کے باوجود انسانیت کے لئے ترس رہا ہے اور وہ دھرتی پر آپ بوجھ دکھائی دیتا ہے۔ بقول علامہ اقبال ۔

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزر گاہوں کا — اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
اپنی حکمت کے غم و پیچ میں الجھا ایسا — آج تک فیصلہ نفع و ضرر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا — زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

اصل علاج:......اب سوال یہ ہے کہ ظاہر و باطن کے اس تضاد کا علاج کیا ہے؟ موجودہ روحانی بیماریوں کو کس طرح دور کیا جاسکتا ہے؟ کیا موجودہ بگڑی ہوئی انسانیت کی اصلاح ناممکن ہے۔ کیا موجودہ معاشرتی، تمدنی، سیاسی اور بین الاقوامی خرابیوں کو دور نہیں کیا جاسکتا؟ کیا انسان تڑپ تڑپ کر اور بلک بلک کر ختم ہو جائے گا، یہ ساری خرابیاں دور ہوں تو آخر کیسے اور کیونکر؟

یہ ہیں وہ سوالات جو آج دانشوروں اور انسانیت کے بہی خواہوں کو پریشان کئے ہوئے ہیں، تو اس سلسلے میں یہ بنیادی حقیقت فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ تاریخ انسانی کا مشاہدہ اور فیصلہ یہ ہے کہ انسانی سیرت و کردار کو درست کرنے اور ہر قسم کی اخلاقی خرابیوں کے سدباب کے لئے مذہب سے بڑھ کر موثر اور طاقتور محرک کوئی دوسرا نہیں ہوسکا ہے، انسانی ذہن و دماغ کو قابو اور کنٹرول میں رکھنے والی قوت مذہب ہی کی رہی ہے، یعنی وہ آزمودہ نسخہ ہے، جس کو اپنا کر موجودہ بے مہار معاشرہ کو قابو میں کیا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ کسی دوسرے علاج سے قطعاً کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا، حکومتی سطح پر محض چند قوانین پاس کردینے سے کوئی اصلاح نہیں ہوسکتی، کیونکہ سرکاری قوانین محض ظاہری اعتبار سے ہی نافذ ہوسکتے ہیں، دل و دماغ پر حکمرانی نہیں کرسکتے، بلکہ آج کل تو حالت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ حکومت کے قوانین کی علانیہ خلاف ورزی کی جارہی ہے اور دستوری ضوابط کی دھجیاں اڑائی جارہی ہیں اور حکومت کی پوری مشینری قطعاً ناکارہ بلکہ خاموش تماشائی نظر آرہی ہے۔

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

ایک سوال:......اب سوال صرف یہ رہ جاتا ہے کہ کیا دنیا میں کسی ایسے مذہب کا وجود بھی ہے جو موجودہ دکھی اور بیمار انسانیت کو بچاسکتا ہو؟ اور اس کے دکھوں کا مداوا کرسکتا ہو؟ کیا کوئی ایسا مذہب ہو بھی سکتا ہے جو موجودہ بے یقینی کی جگہ یقین کی فضا بحال کرسکے؟ جو ذہنی و فکری کشمکش کی جگہ سکون و طمانیت عطا کرسکے؟ جو بے روح اور مردہ دلوں میں سوز و گداز پیدا کرسکے؟ جو باہمی نفرت و عداوت کی دیواروں کو منہدم کر کے محبت و مروت کے آشیانے تعمیر کرسکے؟ جو جبر و استبداد اور ظلم و زیادتی کو ختم کر کے جملہ حقوق انسانی کو بلاتفریق مذہب و ملت بحال کرسکے؟ مختصر یہ کہ کیا اس وقت ایسا کوئی انسانیت نواز، وسیع القلب اور غیر متعصب دین و مذہب موجود ہے جو موجودہ تمام اخلاقی، معاشرتی، تمدنی، سیاسی اور بین الاقوامی خرابیوں کا انسداد کر کے ایک صالح، پاکیزہ اور مکمل مثالی معاشرہ کی تشکیل کرسکتا ہو؟

روشنی کا مینار:......تو جواب یہ ہے کہ روئے زمین پر اس وقت صرف ایک ہی ایسا مذہب پایا جاتا ہے جو ان تمام صفات و

خصوصیات کا حامل ہے اور وہ ہے اسلام، جس کو دین فطرت اور دین رحمت بھی کہا جاتا ہے، آپ قرآن وحدیث کی تمام تعلیمات کا جائزہ لے لیجئے، آپ کو خود ہی پتہ چل جائے گا کہ خدا اور بندے کے درمیان تعلقات کی استواری کے بعد سب سے زیادہ زور انسان کو تہذیب وشائستگی سکھانے اور باہمی روابط درست کرنے یا حقوق العباد کے تحفظ ہی پر دیا گیا ہے، حقوق العباد ایک جامع اصطلاح ہے جس میں معاشرتی، تمدنی، سیاسی اور بین الاقوامی تمام اجتماعی روابط وتعلقات آجاتے ہیں۔

اسلام نے انسانی مساوات، رحم دلی، ایثار اور تمام قوموں سے عدل گستری پر خصوصی توجہ مبذول کی ہے اور اسلام کو دنیا سے روشناس کرانے والے ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی خود ان تمام صفات وتعلیمات سے مزین وآراستہ رہی جن کا اسلام علمبردار ہے، اسلام نے جو کچھ نظری تعلیم پیش کی، پیغمبر اسلام اس کا عملی نمونہ رہے ہیں، چنانچہ آپ ایک کامیاب پیغمبر ہونے کے ساتھ ساتھ سب سے زیادہ شریف، مہذب، راست باز، امین وصادق، خوش اخلاق، سب سے بڑے مصلح، ہادی، رہبر، ایک کامیاب مرشد، استاد، قاضی، مقنن، ایک بہترین باپ، شوہر، پڑوسی، شہری، ایک بے مثال لیڈر، سیاست دان، فوجی جرنیل اور ایک مثالی عابد، زاہد، حق گو، خدا ترس، غرض ہر حیثیت سے مکمل، بے عیب اور فقید المثال انسان رہے ہیں، یہ کوئی شاعری نہیں بلکہ آپ کی حیات طیبہ کے یہ سارے نقوش اور آپ کی پاکیزہ سیرت کے تمام انوار تاریخ کے ریکارڈ میں پوری طرح محفوظ وموجود ہیں، پوری انسانی تاریخ گواہ ہے اور تمام ناقدین کا متفقہ فیصلہ ہے کہ نظری اعتبار سے اسلام سے بہتر مذہب اور عملی اعتبار سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کامل، بے داغ اور مثالی انسان کوئی اور نہیں گزرا ہے، جو تمام طبقات انسانی کے لئے، بلاتفریق مذہب وملت، ایک مثالی نمونہ اور آئیڈیل کردار ہو۔

لہٰذا موجودہ بگڑے ہوئے انسانی معاشرہ کی اگر اصلاح ہو سکتی ہے تو صرف حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کردہ ضابطۂ حیات اور نمونۂ زندگی کو اپنا کر ہی ہو سکتی ہے، نیز موجودہ زخموں سے نڈھال اور کراہتی ہوئی انسانیت کی مرہم پٹی اگر ممکن ہے تو صرف پیغمبر اسلام کی سیرت طیبہ ہی کی بدولت، اسلام کا بنیادی اور اہم ترین مقصد تمام انسانوں میں تہذیبِ اخلاق، تزکیہ نفس اور ایمان واحتساب کے اعلیٰ صفات پیدا کرنا ہے اور اس کی تمام تعلیمات ہر دور کے تقاضے کے مطابق افراط وتفریط سے پاک اور متوازن ہیں جن سے انسانیت کی تکمیل ہوتی ہے۔

آج دنیا کو کوئی بھی ازم اور کوئی بھی فلسفہ بچا نہیں سکتا، کیونکہ تمام انسانی نظامات اور فلسفے وقتی وعارضی اور بے عمل وبے کردار ہوتے ہیں، محض چکنی چپڑی باتوں، سطحی وخوشنما نعروں اور بلند بانگ وکھوکھلے دعوؤں سے دنیا کی کایا پلٹ نہیں سکتی اور کوئی پائیدار ودائمی نتائج برآمد نہیں ہو سکتے، بلکہ یہ سارے گمراہ کن ازم اور فلسفے یا تو اپنے خود غرضانہ مقاصد کو بروئے کار لانے کے لئے گھڑے جاتے ہیں یا پھر بے عملی، کام وذہن کی آسودگی اور نفع عاجل کو فروغ دینے کی خاطر، آپ کسی بھی ازم یا فلسفے کا تحلیل وتجزیہ کیجئے، ہر ایک کی تہہ میں آپ کو یہی بنیادی عناصر ملیں گے۔

خدائی علم اور انسانی علم کی خصوصیات:...... یہ کوئی خوش عقیدگی نہیں، بلکہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ انبیائے

کرام علیہم السلام کی تعلیمات میں ظن وتخمین، شک وشبہ، شاعرانہ تخیلات اور فلسفیانہ قسم کے مفروضات اور دور از کار تلاویلات کا کوئی گزر نہیں ہوتا، بلکہ ان کی تعلیمات کا ایک ایک حرف اور ایک ایک جُز جزم ویقین واعتماد وقطعیت سے پُر ہوتا ہے جس سے علم انسانی سرے سے ناآشنا ہے، اس کا ثبوت اسلام کے وہ محکم اور ابدی عقائد وتعلیمات ہیں جن کو علم انسانی عقل سلیم اور منطق سلیم کی رو سے، اب تک چیلنج نہیں کرسکا ہے اور جن سے بہتر تعلیمات کا نظارہ چشم فلک اب تک نہیں کرسکا ہے، حالانکہ اس کے مقابلے میں انسانی نظریات ومفروضات کے زمین وآسمان ہی بدل گئے ہیں، کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جس میں انسانی ساختہ کوئی نہ کوئی فلسفہ ٹوٹتا اور اس کی جگہ کوئی دوسرا نظریہ ومفروضہ لیتا ہوا نظر نہ آتا ہو۔

پھر یہ بھی ایک واقعہ ہے کہ دنیا کے تمام طبیعی اور سوشل علوم بھی مل کر اور کل فلسفے اور نظامات بھی اکٹھے ہوکر نوع انسانی کے لئے ایک قطعی، غیر متغیر اور سب کے لئے یکساں طور پر قابل عمل ضابطۂ حیات وضع کرنے میں پوری طرح ناکام ہوچکے ہیں، اپنے اپنے فن کے ماہرین کی پوری پوری ٹیمیں مل کر بھی چند ایسے ضوابط تک بنانے سے عاجز آچکے ہیں جو ایک دو صدیاں نہیں بلکہ محض چند سالوں تک ہی بغیر کسی ترمیم واضافے کے چل سکیں، اس کا ایک نظارہ مختلف ممالک کے دستوروں اور اسمبلیوں کے بدلتے ہوئے قوانین سے کیا جاسکتا ہے، حالانکہ انسان کے سامنے انسانی اجتماعیات کی پوری تاریخ موجود ہے، عمرانیات کے ایک ایک پہلو پر نظر ہے اور تمام علوم جدیدہ میں بے انتہا ترقی کرلی ہے۔

جیسا کہ بیان کیا جاچکا ہے، انسان کی اس ناکامی کا راز یہ ہے کہ انسان نہ تو مادہ ہی کا مکمل علم حاصل کرسکا ہے اور نہ روح اور اس کے مظاہر ہی کو ٹھیک ٹھیک سمجھ سکا ہے، لہٰذا وہ مادہ اور روح سے مرکب ایک انسان کے لئے کوئی ایسا مکمل اور لافانی ضابطہ کیسے وضع کرسکتا ہے، جب کہ وہ اس کی اصلیت ہی سے ناواقف ہو! حقیقت یہ ہے کہ انسان کی موجودہ معلومات علم سے زیادہ جہل سے بہت زیادہ مشابہت رکھتی ہیں اور وہ ذہنی وفکری اعتبار سے انتہائی پسماندہ نظر آتا ہے۔

ایک زندہ معجزہ: ......اسلام نے چودہ سال قبل جو اصول دنیائے انسانیت کے روبرو پیش کئے تھے اور معاشرہ کی اصلاح وتربیت کے لئے جو جامع ضوابط وضع کئے تھے، انسان کے تمام علوم اور اس کے سارے تجربات مل کر بھی ان پر اب تک کوئی اضافہ نہیں کرسکے ہیں اور نہ وہ کبھی فرسودہ یا ناقابل عمل قرار پاسکے ہیں اور نہ ہی ان میں کبھی ترمیم واضافہ کی ضرورت محسوس ہوسکی ہے، یہاں پر ان تجدد نوازوں سے کوئی بحث نہیں ہے جو محض ذہنی وفکری افلاس، مغرب زدگی اور مرعوبیت کے باعث اسلام کے محکم اور ابدی اصولوں میں بھی تبدیلی کے خواہش مند ہیں۔

اور دوسری حیثیت سے اسلام نے اپنے پیش کردہ عقائد وتعلیمات کے ثبوت میں کائنات کے جن حقائق کو پیش کیا تھا ان کی صداقت آج علوم جدیدہ خصوصاً علوم سائنس کی ترقی کی بدولت روشن سے روشن ہوتی چلی جارہی ہے، یہ حتمی ویقینی علم جو ظن وتخمین اور ہر قسم کی شاعرانہ خیال آرائیوں سے یکسر پاک ہے، اسلام کا ایک شاندار اور تحیر خیز معجزہ ہے جس کی مثال پیش کرنے سے پورا علم انسانی اور اس کا کل لٹریچر عاجز وبے بس ہے۔

یہ قطعی ویقینی علم ایک ایسی ہستی کی موجودگی کی نشاندہی کرتا ہے، جو اس کائنات میں ازل سے موجود ہے اور جس کے علم میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں ہوتی، لہٰذا وہی وہ واحد ہستی ہو سکتی ہے جو تمام انسانوں کے لئے ایک محکم، ابدی، نا قابل تغیر اور ہر زمانے کی ضروریات پر حاوی ایک مکمل اور بے عیب ضابطہ تجویز کرے۔

انسانیت کا تقاضا:...... انسانوں کے لئے یہ محکم اور ابدی قانون چند منتخب بندوں کے ذریعہ پہنچایا جاتا ہے جو اولین طور پر خود اس قانون پر چلنے والے اور اس کے امین و راز دان ہوتے ہیں، اس بنا پر ان کی سیرت امتیوں کے لئے نمونہ اور آئیڈیل قرار دی جاتی ہیں۔

اس ابدی و سرمدی علم کا تقاضا ہے کہ انسان اپنی عجز و نارسائیوں کا اعتراف کرتے ہوئے بارگاہ احدیت میں اپنی جبین نیاز جھکا دے اور اپنی عبدیت کا عملی ثبوت پیش کرے، اب رہی یہ بات کہ اظہار عبدیت کے کیا طریقے ہوں؟ اور مراسم عبودیت کیا ہیں؟ تو یہی بات انبیائے کرام کی معرفت بتائی اور سکھائی جاتی ہے، مراسم عبودیت یا اپنی زندگی کے طور طریقوں کو سیکھنے ہی کا نام "شریعت" ہے جس سے مذہب بحث کرتا ہے، اس جذبۂ عبودیت کے اظہار کی اعلیٰ اور نمایاں ترین مثالیں چونکہ انبیائے کرام کی سیرت ہی میں ملتی ہیں، اس لئے انبیائے کرام کی پاکیزہ اور بے عیب سیرت رہتی دنیا تک نوع انسانی کے لئے روشنی کا منارہ قرار دی گئی ہیں، ان میں سے اعلیٰ اور مکمل ترین سیرت خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے جس سے آج انسانیت کی تکمیل ہو سکتی ہے۔

معیار انسانیت:...... انسان ایک لحاظ سے حیوان ہے اور دوسرے لحاظ سے فرشتہ، یعنی اس میں کچھ تو حیوانی صفات پائی جاتی ہیں جو اس کے جسمانی مظاہر سے تعلق رکھتی ہیں اور کچھ روحانی امور بھی، جنہیں بروئے کر لا کر وہ فرشتوں کی صف میں داخل ہو جاتا ہے، ان دونوں میں توازن اور مساوات ہی کا نام انسانیت ہے، جب تک کسی شخص میں یہ دونوں صفات برابر برابر موجود رہتی ہیں، اس کی آدمیت بھی متوازن و برقرار رہتی ہے، مگر جب یہ توازن بگڑ جاتا ہے اور افراط وتفریط رونما ہونے لگتی ہے تو پہلی صورت میں حیوانیت وفحاشی کا ظہور ہوتا ہے، عریاں تہذیب کے کرشمے رونما ہوتے ہیں اور انانیت و خود غرضی کے شگوفے کھلتے ہیں اور دوسری صورت میں رہبانیت یا تمدنی ہنگامہ آرائیوں سے کنارہ کشی جنم لیتی ہے۔

لہٰذا ایک انسان کو مکمل انسان بننے کے لئے حیوانی مظاہر اور ملکوتی خصائل یا اخلاق حسنہ میں کامل توازن برقرار رکھنا ضروری ہے، یہی اسلام کی تعلیم اور دین فطرت کا خلاصہ و جوہر ہے۔ اس کی تعلیم تمام انبیائے کرام دیتے رہے ہیں اور اس میں سارے عالم انسانی کی فلاح و کامران مضمر ہے...... یہ جسم و روح یا دین و دنیا کا حسین امتزاج اور وہ جامع و متوازن نقطہ نظر ہے جس کی مثال دنیا کے کسی دوسرے مذہب میں نہیں ملتی۔

ان لربك عليك حقا، ولنفسك عليك حقاً، ولأهلك عليك حقاً، فاعط كل ذى حق حقه: یقیناً تمہارے رب کا بھی تم پر حق ہے، تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے اہل و عیال کا بھی تم پر حق ہے، پس تم ہر ایک حقدار کو اس کا حق ادا کرو۔ (بخاری)